اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وبالسند المتصل منی الی الام الهما یقول العبد الفقیر ذوالفقار احمد حدثنی حضرة الاستاذ حافظ القران والحدیث مولانا محمد جعفر بن محمد امیر قال حدثنی حضرة الاستاذ مولانا شیخ محمد مالك کاندهلوی نور الله مرقده قال حدثنی ابی محمد ادریس قال حدثنی ابی محمد اسمعیل قال حدثنی علی بن الظاهر الوتری المدنی قال حدثنی محمد عابد قال حدثنی احمد بن العجلی قال حدثنی المعمر الشیخ یوسف هروی المشهور بسه صد ساله قال حدثنی محمد بن شادقال حدثنی یحیی بن عمار قال حدثنی محمد بن یوسف الفربری رحمهم الله تعالٰی رحمة واسعة قال حدثنی الشیخ الامام الحافظ الحجة امیر المومنین فی الحدیث وسید المحدثین ابو عبد الله محمد بن اسمعیل بن ابراهیم بن المغیرة الجعفی البخاری رحمه الله رحمة واسعة

باب: کیف کان بدء الوحی الی رسول الله ﷺ وقول الله عز وجل انا اوحینا الیك کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعده۔حدثنا الحمیدی قال: حدثنا سفیان قال:حدثنا یحیی بن سعید ن الانصاری قال: اخبرنی محمد بن ابراهیم التمیمی:انه سمع علقمة بن وقاص ن اللیثی یقول:سمعت عمر بن الخطاب رضی الله عنه علی المنبر یقول:سمعت رسول الله ﷺ یقول: انما الاعمال بالنیات،وانما لکل امری ء ما نوی،فمن کانت ههجره الی دنیایصیبها،او الی امراة ینکحها،فهجرته الی ما هاجر الیه۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

علم حدیث:۔

طالب علم کے ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ علم حدیث کسے کہتے ہیں؟ تو علما نے علم حدیث کی تعریف یوں کی ہے:

عِلْمٌ يُدْرَكَ بِهٖ اَقْوَالُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَفْعَالَهٗ وَاَحْوَالَهٗ وَاَقْوَالُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَاَفْعَالَهُمْ وَ اَحْوَالَهُمْ

''وہ علم جس کے ذریعے ہم رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کو جان سکیں اور اس کے ذریعے صحابہ اور تابعین کے اقوال، افعال اور احوال کو بھی جان سکیں''

یہاں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے اقوال

رسول اللہ ﷺ کے افعال

رسول اللہ ﷺ کے احوال

اور اس کے بعد بات کو آگے بڑھایا کہ، صحابہ اور تابعین کے اقوال، افعال اور احوال کو بھی جان سکیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تین زمانے ایسے ہیں جن کو خیر کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان کا نام ہے .....قـــــرون ثلاثة مشهود لها بالخير ..... نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس زمانے میں خیر کے غالب ہونے کی خوش خبری عطا فرمائی، فرمایا:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اور پھر جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور پھر جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے''

تو صحابہ کا زمانہ، پھر تابعین کا زمانہ اور پھر تبع تابعین کا زمانہ۔ان تینوں زمانوں میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خیر کے غالب ہونے کی خوشخبری عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا اس زمانے کے لوگوں کے اقوال، افعال اور احوال بھی علمِ حدیث میں شامل کیے گئے ہیں۔

دیکھیں! ہم نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے فعل کو سنت کہتے ہیں، مگر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہی لفظ صحابہ کے لیے بھی استعمال فرمایا، چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ

''تمہارے اوپر میری سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے''

تو صحابہ کے طریقے کے لیے بھی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سنت کا لفظ ارشاد فرمایا۔ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:

اَنَّ ابْنَ مَسْعُوْد سَنَّ لَکُمْ سُنَّۃً ''تمہارے لیے ابنِ مسعود نے ایک طریقہ جاری کر دیا''

تو ان کے عمل پر بھی سنت کا لفظ استعمال کیا گیا۔اس لیے ہم اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، کہ ہم نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سنت پر بھی عمل کرتے ہیں اور صحابہ رضی اللّٰہ عنہم کی جماعت کے عمل کو بھی اپنے لیے معیار سمجھتے ہوئے اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت کے تہتّر فرقے بنیں گے اور ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہوگا.....ناجیہ نجات پانے والے کو کہتے ہیں.....صحابہ نے پوچھا: کہ وہ ناجیہ فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا:

مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ

''جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں''

اس طریقے پر جو چلے گا وہ نجات پانے والا ہوگا۔

تو علمِ حدیث میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اقوال، افعال اور احوال کے ساتھ ساتھ صحابہ اور تابعین کے اقوال، افعال اور احوال بھی آئیں گے۔ چنانچہ جب آپ حدیث پاک کی کتاب پڑھیں گے تو اس میں جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ملیں گے وہاں تابعین کے اقوال بھی ملیں گے۔ جیسے بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال الحسن'' یہاں حسن بصری مراد ہیں جو تابعین میں سے ہیں اور ان کا نام بھی شامل ہے۔

علمِ حدیث کی فضیلت:

ایک اور سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ علمِ حدیث کی فضیلت کیا ہے؟ کیونکہ جب انسان کسی علم کو پڑھتا ہے تو اس علم کے پیچھے اس کی فضیلت ہوتی ہے جو اسے علم کے حاصل کرنے پر برانگیختہ کر رہی ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

نضر الله عمرا سمع مقالتی فو .....ثم .....کماسمعها

''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات کو سنا، اس کو محفوظ کیا اور اس کو لوگوں تک اسی طرح پہنچایا جیسا کہ سنا تھا''

یعنی جو شخص اس علم کو حاصل کرے گا، اپنے دل میں محفوظ کرے گا، اپنے عمل کے ذریعے محفوظ کرے گا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچائے گا، اس کے لیے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مستقل ایک دعا ہے۔ ذرا غور کریں کہ یہ کتنی پیاری دعا ہے! چہرہ تو تر و تازہ تب ہوگا جب نہ کوئی پریشانی ہو، نہ خوف ہو، نہ مصیبت ہو

اور پھر دل میں سکون بھی ہو، ورنہ تو اچھے بھلے بندے کا چہرہ مرجھا جاتا ہے۔ تو دیکھیے کہ لسانِ نبوت سے کیسی پیاری دعا نکلی ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے، نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دعا مانگی،

اَللّٰھُمَّ اِرْحَمْ خُلَفَائِیْ

''اے اللہ! میرے خلفا پر رحم فرما''

قِیْلَ: وَ مَنْ خُلَفَاءُکَ

''پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپ کے خلفا کون ہوں گے؟''

تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ

''جو لوگ میری احادیث کی آگے روایت کریں گے''

اسی لیے کہتے ہیں کہ علما انبیا کے نائب ہوتے ہیں۔ ورثائے انبیا ہوتے ہیں۔

تو یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ اس علم کو حاصل کرنا، محفوظ کرنا اور اس کو آگے پہنچانا، اس پر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبان مبارک سے ایسی بشارت ملی ہے۔ یہ بشارت سن کر تو جی چاہتا ہے کہ اس علم کی خدمت میں انسان اپنی زندگی ہی لگا دے، اپنی جوانی کو کھپا دے۔ ہمارے اکابر نے ایسا ہی کیا۔

امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ

امام بخاریؒ کون تھے؟

اس علم کے حصول کے لیے اس وقت جو کتاب ہم پڑھ رہے ہیں یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف

ہے..... چنانچہ ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کون تھے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ از بکستان کے ایک شہر ''بخارا'' میں پیدا ہوئے.....اس بخارا کا تعلّق ماوراء النہر کے علاقے سے ہے۔یعنی ہمارے اور ان کے درمیان ایک دریا آتا ہے۔جیسے ہم آپس میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہر کے پار سے، اسی طرح ہمارے اکابر نے بھی اس علاقے کا نام ماوراء النہر رکھا کہ نہر کے پار سے.....امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، علماءِ ماوراء النہر میں سے ہیں۔آپ کا نام محمد بن اسماعیل تھا۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی عمر میں بینائی ختم ہوگئی۔پھر ان کی والدہ ماجدہ نے ان کے لیے بہت دعائیں کیں اور گڑگڑا کر اللہ کے حضور مانگا۔حتی کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا۔خواب میں انہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی زیارت ہوئی۔اس خواب میں ان کو یہ بشارت ملی کہ ان کی بینائی کو لوٹا دیا جائے گا۔چنانچہ جب خواب سے بیدار ہوئی تو اللہ رب العزت نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی لوٹا دی تھی۔اس وقت تو ماں نہیں جانتی تھی کہ میرا بیٹا کتنا بڑا انسان بنے گا!

آپ بچپن میں ہی یتیم ہوگئے تھے.....اللہ کی شان دیکھیے کہ اس دنیا میں یتیم کو ہی دُرّ یتیم بنایا جاتا ہے۔ دنیا جن کو بے سہارا سمجھتی ہے، ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوتی ہے.....ان کے بڑے بھائی کا نام احمد بن اسماعیل تھا۔پہلے ان کے زیرِ تربیت رہے اور والدہ ماجدہ بھی تربیت کرتی رہیں۔سولہ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے ساتھ حج کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔اس عمر میں ہی آپ کو علم حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا۔حتی کہ ان کو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کی روایتیں بھی کو سولہ سال کی عمر میں یاد تھیں۔جب آپؒ وہاں پہنچے تو آپ نے وہاں علمائے عرب سے بھی حدیث پاک کا علم حاصل کیا اور وہاں کافی عرصہ مقیم بھی رہے۔

علمِ حدیث کے حصول کے لیے آپ نے بہت سفر کیے۔خراسان، عراق، حجاز، شام، مصر، بغداد، بصرہ اور

کوفہ کے علماء سے علم حاصل کیا۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ میں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے اتنی مرتبہ کوفہ گیا کہ مجھے گنتی بھی یاد نہیں۔کتابوں میں لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ سو اساتذہ سے علمِ حدیث حاصل کیا۔

پھر اللہ رب العزت نے آپ سے دین کی خدمت کا کام بھی خوب لیا۔آپ کے شاگرد بڑے بڑے محدثین بنے۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ،امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

آپ نے اٹھارہ سال کی عمر میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ''کتاب التاریخ'' اٹھارہ سال کی عمر میں لکھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں بخاری شریف کی احادیث نوے ہزار شاگردوں کو پڑھائیں۔اب آپ سوچیں کہ آجکل ایک استاد زندگی میں چند سو بچوں کو پڑھاتا ہے،زیادہ زور لگا لے تو ہزار دو ہزار بچوں کو پڑھا لیتا ہے،انہوں نے نوے ہزار طلبا کو خود یہ احادیث پڑھائیں۔

حفظِ حدیث میں منفرد مقام:

آپ اپنے زمانے میں حافظ الحدیث مشہور تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت زیادہ قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لے گئے۔وہاں کے علماء نے یہ بات بہت مشہور کر دی کہ جی حافظ الحدیث آرہے ہیں.....اس زمانے میں حافظ الحدیث کا بڑا مقام ہوتا تھا۔ایسی شخصیت جس کو پانچ لاکھ احادیث یاد ہوں اسے حافظ الحدیث کہا جاتا تھا۔عمر بھی کم تھی مگر مرتبہ بڑا تھا.....جب لوگوں نے مشہور کر دیا کہ یہ حافظ الحدیث ہیں تو کچھ تنقیدی نظر رکھنے والے علما نے سوچا کہ ان کا امتحان لیا جائے کہ واقعی یہ حافظ الحدیث کے معیار پر پورے بھی اترتے ہیں کہ نہیں۔چنانچہ انہوں

نے آپس میں مل کر یہ پروگرام بنایا کہ دس بندے تیار کرو اور ہر بندہ ان سے دس احادیث کے بارے میں سوال کرے.....احادیث بھی کون سی؟

متن کہیں سے اور سند کہیں سے۔اس طرح کا امتحان لیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے حضرت کو اپنے ہاں بلا کر کہا کہ آپ حافظ الحدیث ہیں اور مہربانی فرما کر ہمیں کچھ حدیثیں سنائیں۔آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ ایک بندہ کھڑا ہو کر کہنے لگا: جی، میں نے ایک حدیث پاک سنی ہے، کیا آپ تک یہ بات پہنچی ہے؟ اس کے بعد اس نے ایک حدیث بیان کی۔اس حدیث میں متن یا سند کے اعتبار سے کوئی غلطی تھی۔امام صاحبؒ نے سن کر فرمایا: لاَ (نہیں)۔اس نے کہا: اچھا! دوسری حدیث سنیں، اس نے سنائی۔آپ نے سن کر فرمایا: لاَ (نہیں)۔پھر اس نے تیسری حدیث سنائی، آپ نے فرمایا: لاَ۔اس طرح اس نے دس حدیثیں پوچھیں اور آپ نے ان کے جواب میں لَا کہا۔پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے دس حدیثیں پوچھیں اور آپ نے ان کے جواب میں لاَ کہا۔اسی طرح دس بندوں نے حدیثیں بیان کیں.....ذرا سوچیں کہ ان لوگوں نے کتنا نفسیاتی پریشر ڈالا کہ ایک طرف حافظ الحدیث کی مشہوری اور دوسری طرف سے ہر بات پر لا۔چنانچہ عام سننے والے بھی کہتے ہوں گے کہ یہ کیسا حافظ ہے جس کو آتا کچھ بھی نہیں۔مگر آپ نے ان کی سو حدیثوں پر لا ہی کہا۔ پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا: دیکھیں! پہلے بندے نے جو پہلی حدیث بیان کی، اس نے یوں پڑھا، اور اس میں یہ غلطی ہے۔پھر آپ نے صحیح سند اور صحیح متن کے ساتھ وہ حدیثِ پاک سنائی۔اسی طرح اس کی بیان کردہ دس احادیث سنائیں، ان کی غلطیاں بتائیں اور پھر سند اور متن کی غلطیاں دور کر کے احادیث بیان کیں.....پھر دوسرے کی غلطیوں کی نشاندہی فرمائی.....پھر تیسرے کی غلطیاں بتائیں.....بالآخر ان سو احادیث کو آپ نے صحیح سند اور صحیح متن کے ساتھ سنا دیا۔علما لکھتے ہیں کہ سو احادیث کا سنا دینا امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا، مزے کی بات تو اس میں یہ ہے کہ ان لوگوں نے جو اپنی طرف سے باتیں پوچھیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ سن کر وہ باتیں بھی یاد رہیں اور ان کی ترتیب بھی یاد رہی۔ یہ کتنی عجیب بات ہے.....اللہ اکبر!!!.....ان کو رجال الحدیث کہتے ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جن کو اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کا ایسا عشق عطا کیا کہ اس محبّت میں ان کی زندگی کا مقصد ہی یہی بن گیا کہ نبی علیہ السّلام کے اقوال، افعال اور احوال کو زبانی یاد کیا جائے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لاکھوں احادیث یاد کیں۔

بخاری شریف کی وجہءتألیف:

ذہن میں ایک بات اور بھی آتی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب کیوں لکھی؟ یعنی ہر تالیف کا کوئی سبب ہوتا ہے، اس کی تالیف کا کیا سبب تھا؟.....اس کے جواب میں علما نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میں نبی علیہ السّلام کے جسم مبارک سے مکھیوں کو اڑا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنا یہ خواب اپنے استاد ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا۔ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تعبیر یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ آپ سے علمِ حدیث میں تنقیح کا کام لیں گے۔ یعنی آپ اس کی صفائی کریں گے اور کھرے کھوٹے کو جدا کریں گے۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا ہی کام لیا کہ انہوں نے بخاری شریف کی تالیف کی۔ اس کتاب کو اصح کتاب بعد کتاب اللہ (اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب) مانا گیا۔ تو یہ خواب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کی تالیف کا سبب بنا۔

تالیفِ کتاب میں ادب کا پہلو:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب مدینہ طیبہ میں لکھی۔ ہر ہر حدیث پاک لکھنے سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غسل فرمایا کرتے تھے اور پھر دو رکعت صلاۃ الحاجت پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد وہ حدیث پاک کو لکھا کرتے تھے.....اتنا ادب اور اتنا تقویٰ!!.....پھر اللہ رب العزت قبولیت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

تعدادِ روایاتِ بخاری:

اس کتاب کے اندر کل احادیث کتنی ہیں؟.....اس کے بارے میں علما کی آرا مختلف ہیں:

☆.....امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں کل احادیث چھ لاکھ ہیں۔ان میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ساڑھے سات ہزار احادیث کو جمع فرمایا ہے۔اگر مکررات کو الگ کر دیا جائے تو ساڑھے تین ہزار احادیث بنتی ہیں۔

☆.....علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف کی کل روایات نو ہزار ہیں۔اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو اڑھائی ہزار احادیث بنتی ہیں۔

شرائطِ رواۃِ بخاری:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حدیث کے رواۃ کے لیے کچھ شرائط تھیں۔اور اس سلسلہ میں وہ بہت زیادہ سخت تھے۔چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ ایک تو راوی کو عادل ہونا چاہیے،ثقہ ہونا چاہیے اور اس کو وہ احادیث یاد بھی ہونی چاہییں۔یہی نہیں کہ وہ یہ کہے کہ مجھے یہ آتی ہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ حافظ بھی ہونا چاہیے۔ایک بات یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کا اپنے استاد سے ملنا،ان سے پڑھنا،یعنی تعلیم و تعلم،سفر میں یا حضر میں،یہ ثابت ہونا چاہیے۔چنانچہ اگر کسی کا اپنے استاد کے ساتھ ملنا ثابت نہیں ہوتا تھا تو وہ

اس سے حدیث پاک نہیں لیا کرتے تھے کہ اس کی یہ سند متّصل نہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان شرائط کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے صحیح احادیث کو یکجا کر دیا۔

تدوینِ حدیث:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی محبّت کی بنا پر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی باتوں کو بھی یاد رکھتے تھے۔اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے مائیں اپنے بچوں کی باتیں یاد رکھتی ہیں۔آپ کسی ماں کو دیکھ لیں وہ اپنے بچے کی باتیں سنانا شروع کرے گی تو نان سٹاپ سناتی جائے گی۔سننے والے تو بیزار ہو جائیں گے لیکن وہ تنگ نہیں آئے گی، کیونکہ اس کو بچے کے ساتھ محبّت ہوتی ہے۔اس کو بچے کی ادائیں بھی یاد ہوتی ہیں کہ کس موقع پر اس نے کیا کہا، کیا کیا۔تو جس طرح محبّت کی وجہ سے ماں کو بچے کی ادائیں بھی یاد ہوتی ہیں اور باتیں بھی یاد ہوتی ہیں، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عاشق تھے۔ان کو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی باتیں بھی یاد تھیں اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ادائیں بھی یاد تھیں۔اس طرح وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اداؤں کے محافظ بن گئے۔

چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حیاتِ طیبہ میں ہی احادیث کو لکھا کرتے تھے۔جو سنتے تھے اسے لکھ لیا کرتے تھے۔جیسے ہم کاغذوں پر نوٹس بنا لیتے ہیں اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات اپنے نوٹس بنا لیتے تھے۔اس لیے ان کے پاس اپنے صحائف تھے اور فارغ وقت میں بیٹھ کر وہ نوٹس پڑھا کرتے تھے اور احادیث کو دہرایا کرتے تھے۔گویا احادیث مبارکہ لکھنے کا سلسلہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی شروع ہو گیا تھا۔

لیکن ایک ہوتا ہے باضابطہ اور سرکاری طور پر کسی کام کو کروانا، تو یہ کام حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کروایا۔انہوں نے اپنے زمانے میں یہ دیکھا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بہت ساری

احادیث اس وقت تو لوگوں کو یاد ہیں، ہوسکتا ہے کہ آنے والے زمانے میں ان کی اولادوں کو اتنی باتیں یاد نہ ہوں، تو بہتر ہے کہ اس کو ابھی محفوظ کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وقت کے ایک بڑے محدث ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی احادیث یکجا کرنے کا کام کریں۔ تو سرکاری اور مرکزی سطح پر تدوین حدیث کا یہ پہلا قدم تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث لکھنے کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔ اس کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''الفیہ'' میں چند اشعار میں بیان کیا ہے..... الفیہ ہزار اشعار کو کہتے ہیں..... اس الفیہ میں انہوں نے چند اشعار میں تاریخ تدوین حدیث بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

اَوَّلُ جَامِعُ الحَدِیثِ وَلَا تَر ''اِبنُ شِهاب اَمَرَ لَه عُمَر''

(پہلے جامع الحدیث ابن شہاب تھے جن کو عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا)

وَ اَوَّلُ الْجَامِعُ لِلْاَبْوَابِ جَمَاعَةٌ فِی الْعَصْرِ ذُوْ اِقْتِرَابِ

(اور پھر اس کو ابواب کی شکل میں سب سے پہلے جمع کرنے والی محدثین کی ایک جماعت تھی)

وَ اَوَّلُ الْجَامِعُ لِلْاَبْوَابِ جَمَاعَةٌ فِی الْعَصْرِ ذُوْ اِقْتِرَابِ

كَابْنِ جُرَيْجٍ وَهَشِيْم مَالِك وَ مَعْمَرْ وَ وَلَدِ الْمُبَارَكِ

(جیسے ابن جریج، ہشام، مالک، معمر اور ابن مبارک)

یہ سارے کے سارے وہ لوگ تھے جنہوں نے پھر اس کو ابواب میں اکٹھا کر دیا۔ یعنی ایک تو یہ ہوتا ہے کہ تمام احادیث کو کاغذ پر لکھ دینا اور ایک ہوتا ہے ان کو ترتیب کے ساتھ لکھنا اور پھر ہر ہر باب کی احادیث کو

یکجا کر دینا۔ یہ کام محدثین کی اس جماعت نے کیا.....آگے فرماتے ہیں:

وَ اَوَّلُ الْجَامِعِ بِاِقْتِصَارٍ عَلَی الصَّحِیْحِ فَقَطَ الْبُخَارِیْ

(اور پھر اس کو اور زیادہ اچھے انداز سے فقط امام بخاریؒ نے جمع کیا)

"مُسْلِمْ بَعْدَہٗ وَ الْاَوَّلُ عَلَی الصَّحِیْحِ فِی الصَّحِیْحِ اَفْضَلُ"

(اس کے بعد امام مسلمؒ نے کتاب لکھی، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی بخاری شریف (صحت کے اعتبار سے) مسلم شریف سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے)

اللہ تعالیٰ نے تدوینِ حدیث کا یہ مرحلہ پورا کروایا اور اس علم کو اللہ رب العزت نے کتابوں میں محفوظ کروا دیا۔ اس کی برکت سے آج ہم بھی یہاں موجود ہیں اور اس وقت بھی ہم ان کتابوں کے ذریعے نبی علیہ السّلام کی ان احادیث کو پڑھ سکتے ہیں اور ان پر عمل کر سکتے ہیں۔

صحاحِ ستّہ کا انوکھا انداز:

مختلف محدثین نے حدیث کی مختلف کتابوں کی تالیف کی:

☆ امام بخاریؒ نے بخاری شریف لکھی،

☆ امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف لکھی،

☆ امام مسلمؒ نے مسلم شریف لکھی،

☆ امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد لکھی،

☆ امام نسائیؒ نے سنن نسائی لکھی، اور

☆ امام ابن ماجہؒ نے سننِ ابن ماجہ لکھی۔

ہر تالیف کے اندر مؤلف کا ذوق شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے مختلف حضرات سے مختلف

کتابوں کو اکٹھا کروایا تو یہ احادیث کا ایک گلدستہ بن گیا۔ جیسے گلدستے میں مختلف پھول ہوتے ہیں، ان کا رنگ بھی مختلف ہوتا ہے، ہر ایک کی خوشبو بھی الگ ہوتی ہے اور ہر ایک کا سائز بھی الگ ہوتا ہے۔ مگر جب ملتے ہیں تو کتنے خوبصورت لگتے ہیں! یہ صحاحِ ستہ کی سب کتابیں اگر یکجا کریں تو یوں سمجھیں کہ یہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی احادیث کا ایک گلدستہ ہے۔ کہتے ہیں کہ،

ہر گلِ را رنگ و بوئے دیگر است

(ہر پھول کا رنگ اور خوشبو دوسرے سے جدا ہوتی ہے)

چنانچہ صحاحِ ستہ کی ہر کتاب کا انداز دوسری سے جدا اور انوکھا ہے۔ اب ذرا اس کی تفصیل بھی سن لیجیے۔

☆.....امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جب مسلم شریف لکھی تو انہوں نے سوچا کہ حدیث پاک کا علم حاصل کرنے کے لیے طالب علم کو اصولِ حدیث کا علم ہونا ضروری ہے تا کہ اس کو پتہ ہو کہ حدیث کے اصول پر کون سی حدیث پورا اترتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مقدمہ لکھا، جو مقدمہء مسلم کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقدمہ میں انہوں نے اصولِ حدیث کی تفصیل بیان فرمائی۔ اور واقعی بات بھی ٹھیک ہے کہ جب اصول ہی سامنے نہ ہوں تو ہم کسی چیز کو پرکھ ہی نہیں سکتے۔ گویا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی فنی معرفت حاصل کرنے پر زور دیا۔

☆.....سنن ابن ماجہ کو دیکھیں۔ امام ابنِ ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ''عمل بالحدیث'' تھا۔ یہ عمل بالحدیث اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دل میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سچی محبّت نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ابتدائی ابواب میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی محبّت کے بارے میں باتیں کی ہیں.....مقصد کیا تھا؟.....کہ ان احادیث کے ذریعے طالب علم کے دل میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی محبّت آئے گی اور اس محبّت کی وجہ سے وہ پھر ان احادیث پر عمل کر سکے گا۔

☆.....امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ''فقہی ترتیب کے مطابق روایات کو جمع کرنا'' تھا۔مثال کے طور پر فقہی ترتیب میں سب سے پہلے کتاب الصّلوٰۃ آئے گی کیونکہ یہ افضل علم ہے،اور نماز اس وقت تک مکمّل نہیں ہوسکتی جب تک کہ طہارت ٹھیک نہ ہو۔لہٰذا ان تینوں حضرات نے کتاب الطہارۃ سے اپنی کتابوں کی ابتدا کی۔

☆.....امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب سے جدا اور الگ طریقے سے بخاری شریف کا آغاز کیا۔انہوں نے کتاب کی ابتدا.....باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ سے کی.....اس کا مقصد کیا تھا؟.....امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ''احکامِ شریعت کی وضاحت'' تھا۔اور احکامِ شریعت کی وضاحت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک انسان کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ علم کیسے ملا؟ یہ علم انسان کو وحی کے ذریعے ملا۔

حواسِ خمسہ اور حصولِ علم:

انسان کے پاس علم حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔آپ نے سکولوں میں حواس خمسہ کے بارے میں تو پڑھا ہوگا.....کیوں؟.....اس لیے کہ انسان ان حواسِ خمسہ کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے۔چنانچہ انسان کسی چیز کو،

دیکھتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے،

سنتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے،

ہاتھ سے پکڑتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے،

چکھتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے،

سونگھتا ہے تو اسے علم حاصل ہوتا ہے۔

گویا یہ سب علم حاصل ہونے کے اسباب ہیں۔اس کی وضاحت بھی سن لیں۔

☆ جب بچہ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو فوراً پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ جو ہر چیز کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے، یہ اس کا علم حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔اس کو انگریزی میں Learning Curve کہتے ہیں۔ آپ پوری دنیا کے بچوں کو دیکھ لیں، ان سب میں آپ کو ایک ہی ترتیب نظر آئے گی۔حتیٰ کہ آگ کا انگارہ بھی جب دیکھیں گے تو اسے بھی لپک کر پکڑنے کی کوشش کریں گے۔انہیں کیا پتہ کہ یہ چیز نقصان دہ ہے! وہ سب سے پہلے چیز کو اس لیے پکڑتے ہیں کہ پکڑ کر اندازہ لگائیں کہ یہ چیز نرم ہے یا سخت ہے۔کیونکہ ہاتھ لگانے سے چیز کی نرمی یا سختی کا پتہ چل جاتا ہے۔

☆ جب ہاتھ لگانے سے چیز کی سختی یا نرمی کا پتہ چل جاتا ہے تو بچے اگلا کام یہ کرتے ہیں کہ اس چیز کو منہ میں ڈالیں گے۔ ہر بچہ ایسا کرتا ہے۔وہ چکھتا ہے کہ اس کا ذائقہ ہے یا نہیں۔

☆ پھر جب وہ منہ میں ڈال کر یہ معلوم کر لیتا ہے کہ یہ ذائقہ والی ہے یا بے ذائقہ چیز ہے تو تیسرا کام یہ کرتا ہے کہ اسے زمین پر پھینکتا ہے۔ یہ وہ جان بوجھ کر کرتا ہے۔اسے یہ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ چیز شیشے کی ہے اور ٹوٹ جائے گی، بلکہ وہ اسے نیچے گرا کر اس کی آواز سنتا ہے کہ اس کی آواز کیسی ہوگی۔اس سے نقصان تو ماں باپ کا ہوتا ہے، بچے کا کیا جاتا ہے۔تو یہ بچے کے علم حاصل کرنے کی ایک ترتیب ہے جو فطرت نے اسے دی ہے کیونکہ وہ ہر چیز کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ان اعضا کے ذریعے انسان کو علم حاصل ہوتا ہے۔لیکن ایک فرق بھی ہے.....کیا فرق ہے؟ کہ جو علم ان اعضا کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ کبھی کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے۔اس کی بھی کئی مثالیں ہیں۔

☆ بالفرض آپ گاڑی چلا رہے ہیں۔ گرمی کا موسم ہے۔ آپ سامنے سڑک پر دیکھیں تو یوں لگے گا کہ جیسے پانی ہے، مگر پانی نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ نے علم تو حاصل کیا مگر غلط تھا۔

☆ ایک اور مثال سنیں۔ آپ ایک ریل گاڑی میں بیٹھے ہیں۔ دوسری ریل گاڑی ساتھ آ کر رکی۔ آپ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اسی دوران میں آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی گاڑی نے چلنا شروع کر دیا۔ آپ یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہماری گاڑی چل پڑی ہے، لیکن تھوڑی دیر بعد پتہ چلتا ہے کہ ہماری گاڑی تو نہیں چلی تھی بلکہ دوسری گاڑی چلی تھی۔ حالانکہ جب برابر میں وہ گاڑی چل رہی تھی تو آپ یہی سمجھ رہے تھے کہ آپ کی گاڑی چل رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ نے دیکھا مگر اس کے دیکھنے سے جو علم حاصل ہوا وہ علم غلط تھا۔ اس کو انگریزی میں Illusion (دھوکا) کہتے ہیں۔ یہ نظر کا دھوکا ہے۔

☆ جب آدمی بیمار ہوتا ہے تو اسے ہر چیز کڑوی لگتی ہے۔ حتی کہ پانی بھی کڑوا لگتا ہے۔ حالانکہ پانی کڑوا نہیں ہوتا۔ لیکن مریض کہے گا کہ مجھ سے تو ایک گھونٹ بھی نہیں پیا جاتا، یہ کڑوا ہے۔ اب دیکھیں کہ پانی تو ٹھیک تھا لیکن اس کی بدنی بیماری کی وجہ سے اسے کڑوا لگنے لگا، تو پتہ چلا کہ اسے زبان کے ذریعے جو علم حاصل ہوا وہ پختہ علم نہیں تھا۔

☆ آپ کئی مرتبہ کہتے ہیں کہ کسی نے گھنٹی بجائی ہے۔ جب باہر جا کر دیکھتے ہیں تو وہاں کوئی بھی نہیں ہوتا۔ گویا کان نے تو سنا، مگر جو سنا وہ غلط تھا۔

معلوم ہوا کہ ان اعضا سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کچا ہوتا ہے۔ ٹھیک بھی ہوتا ہے مگر کبھی کبھی وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس پر ہمیشہ کے لئے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

عقل اور حصولِ علم:

ان پانچ حواس کے علاوہ ایک اور حس بھی ہے جس کے ذریعے انسان علم حاصل کرتا ہے، اسے ''عقل'' کہتے ہیں..... عقل کے ذریعے کیسے علم حاصل کیا جاتا ہے؟..... اس کی بھی کئی صورتیں ہیں، مثلاً:

☆ آپ گھر میں واپس آئے اور آپ نے دیکھا کہ آپ کی الماری میں سے چیزیں غائب تھیں۔ اب آپ فوراً سوچتے ہیں کہ کسی نے چوری کی ہے۔ جب چوری کرنے والے نے چوری کی تھی آپ اس وقت تو موجود نہیں تھے۔ لیکن آپ نے الماری کے اندر اپنی چیزوں کے بکھرے پڑے ہونے کی وجہ سے اندازہ لگایا کہ چوری ہوئی ہے۔ پھر آپ ادھر ادھر سے نشان ڈھونڈتے ہیں۔ آپ کو چھت پر سے دو تین اینٹیں اکھڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آپ فوراً سوچتے ہیں کہ چور چھت کے اوپر سے آیا تھا۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا تو نہیں، لیکن آپ نے اپنی عقل سے یہ بات سمجھ لی کہ وہ ادھر سے ہی آیا تھا اور ادھر ہی سے ہو کر گیا تھا۔ اور بعد میں یہ بات واقعی سچی نکلتی ہے کہ وہ اسی راستے سے آیا تھا اور اس نے چوری کی تھی۔ یہ فیصلہ آپ نے عقل کے ذریعے کیا۔

☆ سائنس کی دنیا میں ایک سائنسدان گزرا ہے۔ اس کا نام تھا آئن سٹائن۔ اس نے ایک تھیوری پیش کی۔ اس نے اس تھیوری کی بنیاد اپنے ایک خیال پر باندھی۔ اس نے سوچا فرض کریں کہ ایک فریم آف ریفرنس ہے۔ نہ اس نے کوئی تجربہ کیا، آنکھوں سے بھی نہیں دیکھا، ہاتھ لگا کر بھی کچھ نہیں دیکھا۔ لیکن ایک سوچ پر اس نے بنیاد رکھی کہ فرض کرو کہ ایک فریم آف ریفرنس ہے، اور کرتے کرتے اس نے ایک نتیجہ نکالا کہ آج پوری سائنس کی دنیا اسے تسلیم کرتی ہے۔ اس تھیوری کا نام تھیوری آف ریلیٹیویٹی (نظریہ اضافت) ہے۔ اسے یہ علم فقط عقل کے ذریعے ملا۔

ضروری نہیں کہ عقل کے ذریعے حاصل ہونے والا علم ہمیشہ ٹھیک ہو۔ ناقص بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ

کئی مرتبہ عقل انسان کو دھوکا بھی دے دیتی ہے۔مثال کے طور پر۔

☆ایک گمراہ آدمی گزرا ہے۔اس کا نام ''عبدالرحمٰن'' تھا۔نام تو بڑا اعلیٰ تھا لیکن اس کا عمل بہت ہی زیادہ برا تھا۔اس عبدالرحمٰن نے ایک فرقہ بنالیا تھا اور وہ کہتا تھا کہ بھائی کے لیے بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔وہ اس کے لیے دلیل یہ دیتا تھا کہ اچھی بیوی وہی بن سکتی ہے جو انسان کو بہتر طور پر سمجھتی ہو،اور بہن سے زیادہ بھائی کو بہتر کون سمجھتا ہے!؟ لہٰذا بہن سے نکاح جائز ہے۔اس کی عقل نے اسے دھوکا دیا کیونکہ وہ تو محرم ہوتی ہے۔اگر قریبی محرم رشتوں پر بھی انسان کی شہوت کی نظر پڑے گی تو پھر حیا تو دنیا سے رخصت ہی ہو جائے گی۔

☆ایک ملک کی پارلیمنٹ میں تالیوں کی گونج میں ایک بل پاس کیا گیا کہ مرد کی مرد سے شادی جائز ہے۔دیکھو کہ عقل نے کیسا دھوکہ دیا! کہنے کو وہ بڑے ترقی یافتہ ہیں اور سائنس کے نقطۂ عروج کو چھونے کے دعوے کرتے ہیں،لیکن عقل نے کیسا دھوکا دیا کہ ایک خلافِ فطرت عمل کرنے کا بل پاس کرلیا۔ایسا تو جانور بھی نہیں کرتے۔لیکن انہوں نے قانون بنا دیا کہ اس ملک میں مرد کی مرد کے ساتھ شادی ہوسکتی ہے۔

حواسِ خمسہ سے بھی علم حاصل ہوتا ہے مگر وہ بھی کچا۔اس میں دھوکہ ہوتا ہے۔اور عقل سے بھی علم حاصل ہوتا ہے مگر اس میں بھی دھوکہ ہے۔

وحی الٰہی اور حصولِ علم:

ایک علم اور ہے جسے علمِ وحی کہتے ہیں۔یہ علم انسان قلب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔یہ وحی کا علم نبی علیہ السّلام کے قلب اطہر پر اتارا گیا۔اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

عَلٰی قَلْبِكَ (الشعرآء:194) (اے محبوب ﷺ! اسے آپ کے دل پر اتار گیا)

یہ وحی کے ذریعے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ سچا اور پکا ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتا ہے۔امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز ''بدءالوحی'' سے کر کے گویا یہ پیغام دیا کہ تم نے احکامِ شریعت سیکھنے ہیں، اور یہ احکام اس لیے پکے اور سچے ہیں کہ یہ وحی کے ذریعے عطا کیے گئے ہیں۔

وحی دو طرح کی تھی:۔

(1) متلو (2) غیر متلو

متلو وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن مجید۔اللہ رب العزت نے نبی علیہ السّلام کے قلب اطہر پر اتارا اور اللہ کے محبوب ﷺ نے امت کو سکھایا۔ہم اسے کتاب کہتے ہیں۔اس کے علاوہ کچھ ایسی باتیں تھیں جو اللہ تعالیٰ نبی علیہ السّلام کے قلب مبارک میں ڈال دیتے تھے۔اور نبی علیہ السّلام صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہ باتیں بتایا کرتے تھے۔اسے حدیث کہتے ہیں۔اس حدیث کا دوسرا نام غیر متلو وحی ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم:3-4)

نبی علیہ السّلام جو بھی فرماتے تھے وہ اللہ کی وحی کے ذریعے فرماتے تھے۔یہ حدیث مبارکہ کا علم بھی وہ علم ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کو عطا فرمایا۔لہٰذا اس میں کسی قسم کی کوتاہی کا شائبہ ہی نہیں ہے۔یہ پکا اور سچا علم ہے۔اس لیے امام بخاری i نے اس بات سے کتاب کا آغاز کیا۔تاکہ طالب علم کے ذہن میں یہ بات جاگزیں ہو جائے کہ میں ایک ایسا علم پڑھ رہا ہوں جو وحی کے ذریعے عطا ہوا اور یہی علم زندگی گزارنے کے لیے سو فیصد سچی اور پکی رہنمائی کرتا ہے۔

کتبِ حدیث میں دلچسپی کا پہلو:

فنِ حدیث کی کتابوں میں ایک دلچسپ فرق ہے۔ آپ کو ذرا اس کے بارے میں بھی بتاتے ہیں، توجہ فرمائیے:

☆ اگر ہم صحاح ستہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ چاہیں کہ مختلف ائمہء حدیث کس حدیث مبارکہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو یہ بات ہمیں ترمذی شریف سے معلوم ہوگی۔

☆ اگر یہ پتہ کرنا ہو کہ اس امام کے دلائل کیا ہیں؟ تو وہ دلائل ابوداؤد شریف سے معلوم ہوگی۔

☆ اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ اس حدیث سے مسئلہ کا ستنباط کیسے کیا؟ مسئلہ کو Derive کیسے کیا؟ تو یہ چیز بخاری شریف سے ملے گی۔

☆ اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ ان دلائل کی تقویت کے لیے کیا اور بھی احادیث ہیں؟ تو وہ احادیث مسلم شریف سے ملیں گی۔

☆ پھر یہ معلوم کرنے کیلیے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے اس میں کوئی علت تو نہیں، تو علت معلوم کرنے کے لیے نسائی شریف سے پتہ کرنا پڑے گا۔

☆ اگر کوئی چاہے کہ مؤلف کی مدد کے بغیر خود علت کو ڈھونڈوں تو پھر اس کو سنن ابن ماجہ سے مدد لینا پڑے گی۔

اب یہاں یہ دیکھیں کہ ہر کتاب حدیث کا اپنا ایک رنگ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان صحاح ستہ میں اپنے محبوب ﷺ کے علوم کو مختلف رنگوں سے بھر دیا۔ اب انسان جس طرح کا علم حاصل کرنا چاہے، وہ اس سے متعلّقہ کتاب کو پڑھے، اللہ رب العزت اس کو وہ علم عطا فرما دیں گے۔

بخاری شریف کا سنِ تالیف:

امام بخاریؒ نے اس کتاب کی تالیف کا کام، بقول حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے 217 ہجری میں شروع کیا اورانہوں نے اس کام کو 233 ہجری میں مکمّل کیا۔

اصلاحِ نیت:

امام بخاریؒ نے یہاں جو حدیث مبارکہ سب سے پہلے پیش فرمائی ہے اس میں کیا ارشاد فرمایا گیا؟ آئیے ذرا ہم اس حدیث مبارکہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ نبی علیہ السّلام نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی ہے جو وہ نیت کرتا ہے''

فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا

(تو جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہوئی اس کو دنیا مل گئی)

اَوْ اِلَی امْرَأَۃٍ یَّنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَا جَرَ اِلَیْہِ

(یا جس کی ہجرت ہوئی عورت سے نکاح کرنے کے لیے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی)

اگر اس حدیث پاک میں غور کریں تو چند باتیں سامنے آتی ہیں:

امام بخاریؒ اس حدیث کو شروع میں اس لیے لائے ہیں کہ جب اعمال کا دارومدار ہی نیت پر ہے تو انسان کو شروع سے ہی اپنی نیت ٹھیک کرنی پڑے گی ورنہ اعمال ہی نہیں ہوں گے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی جس کا وزن زیادہ ہے اگر وہ کسی دن کھاتا پیتا ہی نہیں اور نہ ہی جماع کرتا ہے۔ اگر وہ سارا دن ایسا ہی رہے تو اسے روزے کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس کا مقصد وزن کم کرنا تھا۔ اس عمل میں نیت کا اتنا دخل

ہے کہ اگر اس نے کھانے پینے اور جماع کرنے سے پرہیز بھی کیا تو اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

ایک بزرگ تھے۔ان کے ایک شاگرد نے ان کو ایک مرتبہ اپنے گھر دعا کے لیے بلایا۔ وہ تشریف لے گئے۔ جب انہوں نے گھر دیکھا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا بنایا ہوا ہے؟ کہنے لگا: جی یہ روشن دان بنایا ہے۔ پوچھا کہ کیوں بنایا ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت! اس لیے بنایا ہے کہ اس میں سے روشنی بھی آئے گی اور ہوا بھی آئے گی۔تو حضرت نے اس کو بات سمجھائی اور فرمایا: آپ نے یہ کہا کہ میں نے یہ روشن دان اس لیے بنایا کہ اس سے ہوا بھی آئے گی اور روشنی بھی آئے گی، اگر آپ یہ جواب دیتے کہ میں نے روشن دان اس لیے بنایا کہ مجھے اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو تمہارا روشن دان بنانا عبادت بن جاتا، ہوا اور روشنی تو تمہیں ویسے ہی مل جانی تھی۔تو پتہ چلا کہ ہر عمل میں نیت کو ٹھیک کرنا ہے۔

تصحیح نیت میں عارفانہ کلام:

ہمارے قریب میں ایک بزرگ گزرے ہیں، سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ۔ان کا پنجابی میں کلام بڑا عجیب ہے۔وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

جے ناتیا ں دھوتیاں رب ملدا تے ملدا کیا ں مچھیاں نوں

اگر نہانے دھونے سے خدا ملتا تو مچھلیوں کو مل جاتا، وہ تو ہر وقت نہاتی رہتی ہیں۔

جے ذکر کیتیاں رب ملدا تے ملدا کال کڑچھیاں نوں

یہ ایک کالا پرندہ ہوتا ہے جو الٹا لٹکا ہوا ہوتا ہے اور ساری رات آواز نکالتا رہتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اگر ذکر کرنے سے رب ملتا تو وہ ساری رات ذکر کرتی ہے، اسے رب مل جاتا۔

جے سر منایا رب ملدا تے ملدا بھیڑاں سسیاں نوں

بھیڑ کی ایک قسم ہے جس کے سر پر بہت چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر سر منڈانے سے رب ملتا تو اس بھیڑ کو مل جاتا۔

جے جتیاں ستیاں رب ملدا تے ملدا داناں کھسیاں نوں

اگر مجرد (غیر شادی شدہ) رہنے سے خدا ملتا تو خصی جانوروں کو خدا مل جاتا۔ اور اخیر پر فرماتے ہیں۔

جے رب ملدا تے ملدا نیتاں اچھیاں نوں

اگر اللہ ملتا ہے تو وہ اچھی نیت والوں کو ملتا ہے۔

عزیز طلبا! یہ بات سو فیصد سچی ہے۔ لہٰذا آپ ابھی سے نیت کر لیں کہ جو کوئی ہمارے ساتھ زیادتی کرے گا ہم اللہ کے لیے اس کو معاف کر دیں گے۔ ہم آج سے اللہ کے کسی بندے سے بھی کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ''جو شخص دوسروں کے قصوروں کو جتنا جلدی معاف کریگا اللہ رب العزت قیامت کے دن اس کے قصوروں کو اتنا جلدی معاف فرما دیں گے''۔ چنانچہ آج ہی سے ہر عمل میں آخرت کو سنوارنے کی نیت کر لیں۔

نیت کی شرعی حیثیت:

اس حدیث مبارکہ میں نیت کی شرعی حیثیت بھی سامنے آتی ہے کہ جب تک نیت نہ ہو اس وقت تک عمل نہیں ہوتا۔ ائمہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عمل کا ثواب نہیں ملتا۔

.....بعض نے کہا کہ عمل کی صحت کا دارومدار نیت پر ہے۔

.....بعض نے کہا کہ عمل کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے۔

.....امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے۔ عمل ہو جائے گا ثواب نہیں ملے گا۔

مثال کے طور پر ایک آدمی کو کسی نے پانی میں دھکا دے دیا۔ جب وہ پانی میں گر گیا تو اس بندے کا وضو ہو گیا، اگر چہ اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ نیت نہیں تھی۔ اسی طرح ایک بندہ غسل کرتا ہے لیکن وضو کی نیت نہیں کرتا تو اسے ثواب نہیں ملے گا لیکن اس کا وضو ہو جائے گا۔ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے عمل تو ہو جاتا ہے۔

یہیں سے ائمہ میں مسائل کا اختلاف ہو گیا۔ جنہوں نے کہا کہ نیت کے بغیر عمل ہوتا ہی نہیں تو انہوں نے کہا کہ اس کے مسائل یہ ہیں اور جنہوں نے کہا کہ عمل تو ہو جاتا ہے مگر ثواب نہیں ملتا ان کے مسائل مختلف ہو گئے۔ تو یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ فقہا میں اختلاف کیسے آیا؟ کہ انہوں نے ایک لفظ کے مفہوم کو الگ الگ لیا۔

نبی علیہ السّلام نے اس بات کے مفہوم کو اور زیادہ واضح فرما دیا۔ پہلے فرمایا کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ پھر ماقبل کو اور زیادہ واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وانما لکل امری ء مانوی (اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جو وہ نیت کرتا ہے)

پھر آگے فرمایا:

فَمَنْ کَانَ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا

(پھر جس نے ہجرت کی دنیا کی خاطر اس کو وہ دنیا مل گئی)

حدیث مبارکہ کا شانِ ورود:

نبی علیہ السّلام نے یہ حدیث مبارکہ ایک خاص موقع پر ارشاد فرمائی تھی، وہ موقع کیا تھا؟ ایک صحابی تھے۔ وہ کسی خاتون کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے اس کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو

اس عورت نے جواب میں کہا کہ اگر آپ ہجرت کریں گے تو آپ کے ساتھ میرا نکاح ہو جائے گا، اور اگر ہجرت نہیں کریں گے تو میں نکاح نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس صحابی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے شادی کرنے کے لئے ہجرت کی۔ اس عورت کا نام ام قیس تھا۔ لہٰذا وہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ''مہاجرِ امِ قیس'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

جب یہ بات نبی علیہ السّلام کے سامنے پیش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بات کو واضح کر دیا۔ لیکن اس میں غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اس میں نبی علیہ السّلام نے کسی کا نام نہیں لیا۔ اتنا فرمایا کہ

اِلَى امْرَأَةٍ يَّنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَا جَرَ اِلَيْهِ

''جس نے ہجرت کی عورت سے نکاح کرنے کیلیے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی''

یعنی بغیر نام لیے بات کی۔

ایک علمی نکتہ:

یہاں ایک علمی نکتہ ہے۔ سورۃ یوسف میں ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو اپنی طرف متوجہ کیا اور گناہ کی دعوت دی تو قرآن مجید میں یوں ہے۔

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ (یوسف:23)

''اور پھسلایا اس کو اپنے جی سے اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا''

یہاں عورت کا نام نہیں لیا گا۔ حالانکہ اس آیت میں اگر سیدھا سیدھا زلیخا کا نام لے دیا جاتا کہ زلیخا نے ان کو گناہ کی دعوت دی تو دو لفظوں میں بات ہو جاتی۔ اور قرآن مجید کا اسلوب بیان بھی یہی ہے کہ مختصر مگر

جامع کلام ہوتا ہے، مگر قرآن مجید میں یہاں زیادہ الفاظ استعمال کر لیے لیکن نام نہیں لیا کہ عزیز مصر کی بیوی نے گناہ کی دعوت دی۔ نشاندہی نہیں کی۔ کیونکہ نشاندہی کر کے بات کرنے سے غیبت ہو جاتی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو غیبت سے منع فرمایا ہے۔ تو جس پروردگار نے بندوں کو غیبت کرنے سے منع فرمایا وہ خود کیوں ایسا کلام فرماتے جس میں یہ پہلو نکلتا۔ لہٰذا زیادہ الفاظ استعمال کر لیے مگر بات گول مول کر دی کہ سمجھنے والے سمجھ بھی جائیں اور اوپر پردہ بھی رہ جائے۔ جیسے اللہ نے اس عورت (زلیخا) کا پردہ رکھ لیا، اس کا نام نہیں لیا، اس کو رسوا نہیں کیا، اس کے خاوند کو بھی رسوا نہیں کیا اور بات کو گول کر دیا، اسی طرح نبی علیہ السّلام نے بھی بالکل اسی طرح فرمایا۔ کہ بات تو کرنی تھی اُمِّ قَیس اور اس کے خاوند کے بارے میں، مگر نبی علیہ السّلام نے اجمالاً بات اشارہ فرما دی۔ اس کو کہتے ہیں،

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ

ہمیں بھی یہاں سے یہ سبق سیکھنا چاہیے کہ ہم بھی اگر کسی کے بارے میں بات کریں تو اجمالاً کریں۔ نام لے کر بات نہ کریں اور اپنے آپ کو غیبت سے بچانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ یہ تربیتی انداز بھی اس حدیث مبارکہ سے سامنے آتا ہے۔

تصوف کی ابتدا:

یہ حدیث مبارکہ تصوف کی ابتدا ہے۔ ایک مرتبہ ایک بڑے عالم حضرت شیخ الحدیثؒ سے ملے اور فرمایا، یہ تصوف کیا بلا ہے؟ یہی الفاظ کہے۔ انہوں نے آگے کہیں سفر پر بھی جانا تھا۔ چنانچہ فرمانے لگے کہ میں آگے سفر پر جا رہا ہوں، واپس آؤں گا تو آپ کے ساتھ تفصیل سے بات کروں گا۔ حضرت نے فرمایا: آپ ابھی جواب لیتے جائیں۔ تصوف کی ابتدا ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (اعمال کا دارومدار نیتوں

پر ہے) اور تصوف کی انتہا ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ (کہ تو ایسے عبادت کر جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھ سکتا تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے).....وہ کہنے لگے کہ آپ نے تو جلدی مسئلہ حل کر دیا۔ بخاری شریف کی افتتاحی حدیث بھی یہی ہے اور تصوف کی ابتدا بھی یہی ہے کہ اپنی نیتوں کو ٹھیک کر لیں۔

حدیث نبوی کا نور:

بعض کلام ایسے ہوتے ہیں جن میں نور ہوتا ہے۔ جیسے کلام اللہ۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس کلام کے اندر ایک نور ہے۔ جو شخص اس کلام کو پڑھتا ہے اس کو نور ملتا ہے۔ اس پر اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الاعراف:204)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم خاموش رہو اور غور سے سنو تا کہ تم پر رحمتیں برسیں''

اس کلام الٰہی میں نور بھرا ہوا ہے اور وہ نور سینے میں ملتا ہے۔ اسی حدیث پاک میں فرمایا:

تَبَرَّكَ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّهُ كَلَامُ اللّٰهِ ''تم قرآن سے برکت حاصل کرو، وہ اللہ کا کلام ہے''

جس طرح کلام اللہ میں نور ہے اسی طرح کلام رسول اللہ ﷺ میں بھی نور ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السّلام بھی منور شخصیت تھے۔ اللہ کے نبی تھے اور ان کا کلام اللہ کی وحی تھی۔ ان کا جو کلام تھا وہ قرآن کی تفسیر تھی۔

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل:44)

لہٰذا کلامِ نبوی کے اندر بھی نور ہے۔ اس لیے حدیث مبارکہ کو پڑھنے سے بھی نور ملتا ہے۔ ہم جو علم حاصل کرنے کے لیے یہاں بیٹھے ہیں اس کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ ان الفاظ اور حروف کے اندر جو نور چھپا

ہے وہ نور ہمیں مل جائے۔لہٰذا اگر وہ نور ہمیں مل گیا تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم حدیث پاک کو آداب کے ساتھ، طلب کے ساتھ اور شوق کے ساتھ پڑھیں گے تو ان الفاظ و حروف کے اندر جو نور ہے وہ ہمارے سینے میں آئے گا اور اس نور کے ملنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔لہٰذا ہر طالب علم یہ کوشش کرے کہ اس دورہ حدیث کے سال میں بڑی طلب کے ساتھ اور ادب کے ساتھ حاضری کی پابندی کرے، سبق کا ناغہ نہ ہو، استاد کے آداب کی رعایت رکھے اور توجہ سے بیٹھ کر سنے تاکہ حدیث مبارکہ کا نور ہمارے سینوں میں منتقل ہو جائے۔

کلام سے متکلّم تک رسائی:

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ کلام سے متکلّم کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔مثال کے طور پر:

☆.....مرزا غالب ایسا شاعر تھا جو مخلوق کی محبّت کے دھندوں میں پڑا ہوا تھا۔لہٰذا اگر اس کا کلام پڑھیں تو اس میں عورت کے حسن و جمال اور اس کی تفصیلات ملیں گی۔

☆میر درد ایک صوفی شاعر تھا۔اگر اس کا کلام پڑھیں تو اس میں اللہ کی محبّت کی باتیں ملتی ہیں۔مثلاً:

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

ایک اور شعر میں کہتے ہیں:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اس بندے کے دل میں واقعی اللہ کی محبّت تھی۔

☆ علامہ اقبال ایک انقلابی ذہن رکھنے والا انسان تھا۔ چنانچہ اگر اس کے اشعار پڑھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ آدمی چاہتا تھا کہ ہمیں فرنگیوں سے آزادی مل جائے اور امت مسلمہ کو عزت رفتہ مل جائے، مثلاً:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟ وہ کیا گردوں تھا جس کا تو ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبّت میں کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی تو گفتار ، وہ کردار ، تو ثابت ، وہ سیارا

اس کے کلام سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اس کا ذہن انقلابی تھا۔

☆ .....اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ایک بیٹی کا نام زیب النساء تھا۔ وہ بھی فارسی میں اشعار کہتی تھی۔ اس نے اپنا تخلّص ''مخفی'' رکھا ہوا تھا۔ اس کا ''دیوان مخفی'' چھپا ہوا ہے۔ وہ بڑے اچھے اشعار کہتی تھی۔

اس زمانے میں ایک ایرانی شہزادہ تھا۔ اس نے ایک مصرعہ کہا:

درِّ ابلق کسے کم دیدہ موجود

(درابلق کس نے دیکھا ہے، بہت کم موجود ہوتا ہے)

ایک موتی کو درابلق کہتے ہیں۔ وہ سفید اور چمکدار ہوتا ہے مگر اس میں ایک باریک سی کالی لائن ہوتی ہے، اس کو ابلق کہتے ہیں۔ تو اس نے کہا کہ درابلق کس نے دیکھا ہے؟ بہت کم موجود ہوتا ہے..... پہلا مصرعہ تو اس نے بنا لیا، لیکن دوسرا مصرعہ اس سے نہیں بن رہا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا: جو بندہ دوسرا مصرہ بنائے گا میں اس کو بڑا انعام دوں گا۔

یہ بات چلتے چلتے ایران سے ہندوستان تک پہنچی۔ یہاں کے شعرا نے بھی کافی طبع آزمائی کی لیکن کچھ نہ بنا۔ مخفی نے بھی اس مصرعہ کی شہرت سن لی۔ ایک دن اتفاقی طور پر اس شعر کا دوسرا مصرعہ کہہ دیا۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ نہانے کے بعد اس نے اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالا، سرمہ ڈالنے سے کئی مرتبہ آنکھوں میں پانی آجاتا ہے، سرمہ ڈالنے کے بعد جب اس نے آئینہ دیکھا تو وہ آنکھ سے نکلا ہوا پانی آنسو کی شکل میں پلکوں کے اوپر تھا اور اس میں سرمے کی وجہ سے ہلکی سی لائن تھی۔ اس نے دیکھتے ہی کہا کہ یہ تو درابلق کی طرح ہے۔ چنانچہ اس نے وہیں دوسرا مصرعہ کہہ کر شعر مکمّل کر دیا کہ

درِ ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود

یہ ایسا مزے کا شعر بنا کہ جو سنتا تھا حیران ہوتا تھا۔

یہ بات اس شہزادے تک پہنچی۔ اس شہزادے نے کہا: ''شاعر کو میرے پاس بھیجو، میں اس کو بڑا انعام دینا چاہتا ہوں'' جب یہ بات اورنگزیب عالمگیرؒ تک پہنچی تو بیٹی سے کہا، بیٹی! میں تجھے کہتا نہیں تھا کہ تو شعر نہ کہا کر، کسی مصیبت میں ڈالے گی، اب دیکھو کہ وہ شہزادہ کہتا ہے کہ جس شاعر نے یہ شعر کہا ہے، وہ میرے پاس آئے، میں اسے انعام دینا چاہتا ہوں۔ مخفی کہنے لگی: ابا جان! آپ پریشان نہ ہوں، میرے دو شعر لکھ کر اس کے پاس بھیج دیں، وہ بات کو سمجھ جائے گا۔ چنانچہ اس نے شعر کہے:

در سخنِ مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل

''میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوئی ہوں جس طرح پھول کے اندر خوشبو چھپی ہوتی ہے''

ہر چہ خواہد میل دارد درسخن خواہد مرا

''جو مجھ کو ملنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ میرے کلام کو پڑھ لے، کلام کے ذریعے مجھ سے ملاقات ہو جائے گی''

یہ اشعار بھیجنے سے سارا خطرہ ٹل گیا۔

یہاں بات تو وہی ہے کہ اگر وہ یہ کہتی ہے کہ میرے کلام کے ذریعے میری ملاقات ہو سکتی ہے تو دورۂ

حدیث کے طلبا جو احادیث مبارکہ پڑھیں گے، اس کلام کے ذریعے ان کی اللہ کے محبوب ﷺ سے ایک روحانی ملاقات بھی ہوسکتی ہے۔ تو عزیز طلبا! ہم نے الفاظ میں پھنسے نہیں رہنا، آگے جانا ہے..... کلام سے ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟..... متکلّم تک پہنچنا ہے۔ لہٰذا مزہ تو یہ ہے کہ حدیث مبارکہ کے اس سال میں ہمیں نبی علیہ السّلام کی ایسی محبّت نصیب ہو جائے اور سنت پر ایسی استقامت نصیب ہو جائے کہ ہم اللہ کے محبوب ﷺ کے عشق میں ڈوب جائیں۔ پھر پڑھنے کا مزہ ہے۔

اس لیے بعض اکابر کہتے ہیں کہ جو اخلاص کے ساتھ دورہ حدیث کی کلاس پڑھے گا اس کو سال میں کم از کم ؟؟؟ مرتبہ تو نبی علیہ السّلام کا خواب میں دیدار ضرور نصیب ہوگا۔ بلکہ ہم نے ایسے طلبا بھی دیکھے ہیں جن کا اس عاجز سے بیعت کا تعلّق ہے، وہ آکر حالات بتاتے ہیں کہ ان کو ہر مہینے نبی علیہ السّلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ کچھ ایسے بھی خوش نصیب ہیں جن کو ہر ہفتے نبی علیہ السّلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ تو جو صحیح جذبے اور شوق کے ساتھ، محبّت اور طلب کے ساتھ حدیث پاک کو پڑھتے ہیں، پھر وہ کلام کے ذریعے متکلّم تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ پورا سال یہ دعا کرتے رہنا کہ ہمیں بھی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ ایسا قلبی تعلّق نصیب ہو جائے، یہی مقصود ہے۔ ایک تو وہ نور حاصل کرنا ہے جو حدیث پاک میں ہے اور دوسرا کلام سے متکلّم تک کا سفر کرنا ہے تاکہ ان کے ساتھ ایک روحانی نسبت قائم ہو جائے۔

دربارِ نبوت میں طلبِ حدیث کی قدردانی:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے گیا تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے روضہء انور پر، مواجہ شریف پر سلام کے لیے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہاں حدیث مبارکہ کا کوئی بھی طالب علم جب سلام پیش کرنے کے لیے پہنچتا ہے تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قلبِ مبارک سے سورج کی

کرنوں کی طرح نور کی شعاعیں نکلتی ہیں اور اس حدیث کے طالب علم کے دل کو منور کر دیتی ہیں، تو حدیث پاک پڑھنے والے طلبا پر اللہ رب العزت کی خصوصی رحمت ہوتی ہے۔ اس لیے اس سال میں آپ بڑے اہتمام کے ساتھ مسنون دعائیں پڑھیں، ہر کام میں اتباعِ سنت کا لحاظ رکھیں اور تقویٰ کا اہتمام کریں۔ پھر آپ حدیث پاک پڑھتے جائیں گے اور اس کا نور ملتا جائے گا۔ اور پھر اس نور کی برکت سے متکلّم تک تعلّق نصیب ہو جائے گا۔ اللہ کا کتنا کرم ہے!! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے پیارے حبیب ﷺ کی وہ سچی محبّت نصیب فرما دے، (آمین)

کتھے مہر علی ، کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

کہاں ہم ناکارہ لوگ اور کہاں وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پکی سچی محبّت!؟ مگر اللہ رب العزت اس پر قادر ہیں کہ وہ ہمیں بھی یہ نصیب فرما دیں۔

منور چہرے:

حدیث پڑھنے والے طلبا کو ہر روز حدیث کا نور ملتا ہے۔ انسان کے چہرے پر نور نظر آتا ہے۔ دارالسّلام دیوبند کے دارالحدیث میں جب حدیث کی کلاس ہوتی تھی اور طلبا سبق پڑھ کر باہر نکلتے تھے تو ان کے چہروں پر ایسے نور ہوتا تھا کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ رمضان المبارک کا اعتکاف کرنے کے بعد نور والے چہروں سے مسجد سے باہر نکل رہے ہیں۔.....اللہ اکبر کبیرا!!!.....ہم بھی اگر ذوق شوق کے ساتھ حدیث پڑھیں گے تو ہم بھی منور چہروں کے ساتھ باہر نکلیں گے۔ یہی نور ہمیں حاصل کرنا ہے۔

نور حاصل کرنے کے لیے مسنون دعائیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّ عَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ خَلْفِی نُوْرًا وَّ مِن اَمَامِی نُوْرًا وَاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّ فِیْ عَصَبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لَحْمِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ دَمِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ شَعْرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ بَشَرِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّ مِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا (مسلم)

اے اللہ میرے دل میں نور کردے، میری آنکھوں میں نور کردے اور میرے کانوں میں نور کردے اور میرے دائیں نور کردے اور میرے بائیں نور کردے اور میرے پیچھے نور کردے اور میرے پٹھوں میں نور کردے اور میرے گوشت میں نور کردے اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور کردے اور میری کھال میں نور کردے اور میری زبان میں نور کردے اور میرے نفس میں نور کردے اور تو مجھے بہت بڑا نور عطا کردے، اور مجھے ہی نور کردے اور میرے اوپر نور کردے اور میرے نیچے نور کردے۔ اے اللہ! مجھے نور عطا فرما۔

نور حاصل کرنا کیوں ضروری ہے؟

واقعی سچی بات یہ ہے کہ اگر یہ نور نصیب ہوگیا تو پھر دین کا کام کرنے کا مزہ آئے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (الانعام:122)

اور وہ جو مردہ تھا، ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اسے ایسا نور عطا کیا کہ اس نور کو لے کر وہ انسانوں کے درمیاں دین کا کام کرتا ہے۔

بھئی! اگر اپنے اندر نور نہ ہوا تو ہماری بے نور باتیں لوگوں کے دلوں پر کیا اثر کریں گی؟ یہی وجہ ہے کہ آج یہ شکوہ کیا جاتا ہے کہ جی لوگ ہماری باتیں سنتے ہی نہیں۔ لوگ بے نور باتیں کیوں سنیں گے؟ اس لیے یہ نور حاصل کرنے کا وقت ہے۔

نور حاصل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ:

اس نور کو حاصل کرنے میں سب سے بڑی جو رکاوٹ ہے وہ گناہ ہیں۔ اس لیے کہ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِیْ وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور گناہگار کو نہیں دیا جاتا۔

دورۂ حدیث کے طلبا متفکّر بھی رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آٹھ سال ان چٹائیوں اور صفوں پر بیٹھے بیٹھے جسم پر داغ تو لگ گئے لیکن اگر وہ نور نہ ملا تو ہمارا یہ بیٹھنا کس کام ہوگا۔ آپ نے گائے اور بھینسوں کو دیکھا ہوگا کہ زمین پر بیٹھ بیٹھ کر ان کے بھی گھٹنوں اور ٹخنوں پر نشان بنے ہوتے ہیں۔ ہم بھی اگر صفوں پر بیٹھے رہیں اور ہمارے بھی فقط نشان ہی بنے تو وہ جانوروں والی نسبت ہے۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو منور فرما دے۔ اس کے لیے ہمیں معصیت کو چھوڑنا ہوگا۔ سچی توبہ کرنی ہوگی اور اخلاص اور اتباعِ سنت کے ساتھ یہ سال گزارنا ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو منور فرما دے۔

اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرمائے اور ہمارے لیے حدیثِ پاک کے اس نور کو حاصل کرنا آسان بنائے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ